وروحانی کمالات وفضائل کا یہ مرقع تیار کیا ہے جو دیدہ زیب بھی ہے اور روح پرور بھی۔ جو سبق آموز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی۔"

ان مراسلات میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ کلام۔ معاشرت۔ سلوک وتصوف کے سینکڑوں مسائل اور کہیں کہیں ادب اور شعروسخن کے لطیف نکات زیر گفتگو آ گئے ہیں جو عوام ہی نہیں علماء اور طلباء کے لئے بڑے کام کی چیزیں ہیں۔ علی الخصوص مراسلات کا وہ حصہ جو مولانا تھانوی کی تفسیر بیان القرآن اور فاضل مرتب کے انگریزی واردو ترجمہ وتفسیر قرآن سے متعلق ہے علوم عربیہ کے طلبا اور قرآن مجید کا ذوق رکھنے والے حضرات کے لئے بہت مفید اور کارآمد ہے یہ حصہ صرف حضرت مولانا کے علم وفضل کا آئینہ دار نہیں، بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مرتب نے ایک طرف تو بیان القرآن کا انتہائی دیدہ ریزی سے مطالعہ کرکے اس کے لفظی ومعنوی خامیوں کی نشاندہی کی ہے اور مولانا نے ان کو انتہائی خوشی اور جذبۂ شکرگذاری کے ساتھ قبول فرما کر تنبیہات کے عنوان سے ان کی تصحیح فرمادی ہے اور دوسری جانب قرآن مجید کے تاریخی قصص اور جغرافیائی مقامات کی تحقیق وتلاش کے سلسلہ میں تاریخ عہد قدیم۔ اور کتب یہود ونصاریٰ کا بڑے استقلال اور صبر وتحمل کے ساتھ وسیع مطالعہ کیا ہے اور اس طرح قرآن جو کہ "مصدق لما معکم" ہے اس کی تصدیق خود ان لوگوں سے کرانی چاہی ہے۔ جو اسے کتاب الٰہی نہیں مانتے یہ تفسیر ہماری نظر سے گذری نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ فاضل صاحب تفسیر کو اس مقصد میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اگر وہ اس وادی ہفتخوان کو عبور کر گئے ہیں تو اس زمانہ میں قرآن مجید کی خدمت کا یہ بہت اہم اور ضروری گوشہ تھا جو پورا ہو گیا۔

اس کتاب سے حضرت مولانا تھانوی کے اخلاق وعادات کی نسبت ایک نیا اور خوشگوار انکشاف بھی ہوتا ہے۔ عام طور پر مشہور یہ ہے اور بقول مولانا عبدالماجد کے اس تشہیر کے لئے بڑے ذمہ دار خود مولانا کے بعض مرید اور خلفا بھی ہیں ـــــ کہ مولانا درشت مزاج۔ تشدد پسند اور خشک طبع تھے لیکن زیر تبصرہ کتاب کے مرقع میں نظر آتا ہے کہ مولانا اپنے مریدوں کے لئے بے شک ایک سخت گیر

استاد تھے لیکن عام تعلقات اور معاشرتی معاملات میں بڑے نرم خو۔ شگفتہ مزاج۔ خندہ جبیں اور بامروت ومتواضع تھے اور اختلافِ خیال ومسلک کے باوجود تعلقات اور لوگوں کی حیثیت ومراتب کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالماجد چونکہ مولانا سے باقاعدہ بیعت نہیں تھے اسی بنا پر موصوف کے ساتھ مولانا کا برتاؤ اس سے مختلف تھا جو مولانا اپنے باقاعدہ مریدوں کے ساتھ ان کے تذکیۂ نفس اور اصلاحِ باطن کی غرض سے کرتے تھے۔

اس اعتراف کے ساتھ اس کتاب میں دو باتیں ایسی بھی ہیں جو ہمیں کھلتی ہیں ایک یہ کہ اگرچہ مولانا تھانوی بار بار فرماتے ہیں کہ مجھ کو تعبیرِ خواب سے مناسبت نہیں پھر ہر خواب قابلِ اعتبار بھی نہیں لیکن اس تنبیہہ کے باوجود فاضل مرتب نے کتاب میں اپنے اور اپنی اہلیۂ محترمہ کے خواب جگہ جگہ اس کثرت سے نقل کئے ہیں کہ ان سے حقیقت پسند طبیعت اکتا جاتی ہے اور خود فاضل مرتب کا دامن خودنمائی کے داغ سے بے عیب نہیں رہتا۔ مولانا تھانوی نے ان تمام خوابوں کا جواب بہت مختصر اور بے اعتنائی کے ساتھ دیا ہے اور جو کچھ فرمایا ہے اس سے بھی سلوک وتصوف کا یا دین کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس بناء پر ان خوابوں کی نقل سے اس علم کے سوا کہ فاضل مرتب کی قوتِ متخیلہ بڑی حساس ہے اور کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

علاوہ بریں دوسری بات یہ ہے کہ فاضل مرتب نے تفسیرِ قرآن کے بعض تاریخی اور جغرافیائی مباحث کی نسبت جو اشکالات وایرادات مولانا تھانوی کو لکھے ہیں وہ علمی اعتبار سے بہت قوی اور وزنی ہیں اور مولانا چونکہ تاریخ عہدِ قدیم اور جغرافیہ سے آشنا نہیں تھے اس بناء پر مولانا کے جوابات اعتراض کے مقابلہ میں ہلکے اور کم وزن ہیں۔ یہ وہی بات ہوگئی جو امام رازی کی تفسیرِ کبیر کے متعلق کہی جاتی ہے کہ امام نے فرقِ باطلہ کی طرف سے اس قدر پُرزور گفتگو کی ہے کہ پھر خود ان کے جوابات اس زور کے نہیں ہو سکے ہیں مولانا عبدالماجد صاحب کو چاہئے تھا کہ یا تو ان اشکالات کا اس کتاب میں ذکر ہی نہ کرتے اور اگر کیا تھا تو ان سے متعلق خود اپنی تحقیق بکمال وتمام نقل کر دیتے ان کی طرف محض اشارہ کرنا کافی نہیں تھا۔